

تعارف و تبصرہ

سیرت یعقوب و ملوک : پروفیسر مولانا محمد انوار الحسن شیرکوٹی

ناشر: مکتبہ دارالعلوم کراچی - صفحات: ۲۳۰ - قیمت: پندرہ روپے پچھتر پیسے۔

یہ کتاب انیسویں صدی عیسوی کے اسلامی ہند کی ان دو جلیل القدر ہستیوں کی سوانح حیات پر مشتمل ہے جنہوں نے اپنے دور میں اسلامی تعلیم اور اسلامی علوم و فنون کی شمع کو ان نازک اور نامساعد حالات میں روشن رکھا جب ہندوستان پر انگریزی استعمار اپنے تمام کرد فر اور جملہ حشر سامیوں کے ساتھ اپنا تسلط قائم کر چکا تھا، اور ہندوستان کو ایک مکمل عیسائی ریاست بنا دینے کی کوشش سرکاری اور غیر سرکاری پیمانہ پر بڑھ رہی تھیں۔ ایک طرف کپینی کی حکومت (ابندہ انگریزی حکومت) بے درپے ایسے قوانین جاری کر رہی تھی جن کا واحد مقصد ہندوستان کے صدیوں سے بنے بنائے معاشرہ کو توڑ پھور کر ایک نیا سچی نیم مغربی معاشرہ بنانا تھا۔ دوسری طرف لائے عیسائی پادری ہیلین اور اساتذہ تعلیم، تبلیغ، خدمت انسانیت اور اس طرح کے دوسرے عنوانات سے عیسائیت کا پرچار کر رہے تھے۔ ان حالات میں جو مسلم علماء صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اُٹھے ان میں استاذ العلماء مولانا ملوک علی صاحب صدر شعبہ علوم شرفیہ دہلی کالج اور ان کے جلیل القدر فرزند مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی مددکس دارالعلوم دیوبند نمایاں مقام رکھتے تھے۔

مسلم ہندوستان کے تقریباً تمام جید علماء کی طرح ان دونوں باپ بیٹوں کا علمی تعلق بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے ہے۔ مولانا ملوک علی صاحب نے اسلامی علوم و فنون کی تعلیم مولانا رشید الدین خان صاحب دہلوی سے حاصل کی جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے اجل تلامذہ میں سے ہیں۔ خود شاہ عبدالعزیز صاحب سے بھی مولانا ملوک علی صاحب نے تبرکاً چند اسباق پڑھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے بھی اپنے والد کے علاوہ ولی اللہی سلسلہ کے دوسرے اکابر علماء سے کسب فیض

کیا۔ حدیث آپ نے دہلی کے مشہور محدث شاہ عبدالغنی صاحب سے پڑھی۔ شاہ عبدالغنی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے، ان کے اور حضرت مجدد کے درمیان صرف چھ واسطے ہیں۔ شاہ صاحب نے علوم کی تکمیل بیشتر ولی اللہی خاندان کے بزرگوں کے سایہ عاطفت میں کی۔

فاضل ٹولف نے نہایت محنت اور تحقیق کے ساتھ ہر دو بزرگوں کے حالات کا استقصاء کیا ہے۔ دہلی کالج میں مولانا مملوک علی صاحب کی پروفیسری اور مولانا محمد یعقوب صاحب کی طالب علمی کے حالات بھی خاصی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ یہ کالج ۱۸۲۵ء میں مدرسہ غازی الدین کی بنیادوں پر قائم ہوا تھا اور مٹر ٹیڈراس کے پہلے پرنسپل تھے۔ اس کتاب میں دہلی کالج سے متعلق تفصیلات پڑھنے سے اس بہت بڑی تاریخی غلط فہمی کی تردید ہو جاتی ہے کہ ہندوستان میں علمائے مغربی علوم و فنون کی مخالفت کی یا یہ کہ سب سے پہلے سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ انگریزی کی اہمیت تو انگریزی قبضہ کی تکمیل سے بھی پہلے اپنے وقت کے امام الہند شاہ عبدالعزیز نے محسوس کر لی تھی جس پر ان کا شہرہ آفاق فتویٰ متعلقہ زبان انگریزی شاہد ہے۔ دہلی کالج کے علاوہ بھی دوسرے متعدد کالج ہندوستان میں موجود تھے جہاں جدید علوم و فنون کی تعلیم ہوتی تھی، مسلمان بچے بھی وہاں تعلیم حاصل کرتے تھے اور کبھی بھی علمائے ان کی مخالفت نہ کی۔ سیرام پور بنگال میں ۱۷۹۳ء سے، آگرہ کالج ۱۸۲۳ء سے، اور نیشنل سیمزری ۱۷۹۹ء سے اور فورٹ ولیم کالج ۱۸۰۰ء سے کام کر رہا تھا اور ۱۸۳۵ء سے انگریزی بھی بطور لازمی مضمون کے پڑھائی جا رہی تھی۔ انہی اداروں میں تعلیم پکڑ ڈاکٹر وزیر خان جیسے فاضل اور دروہند مسلمان پیدا ہوئے تھے۔ ان تفصیلات سے یہ بات بالکل غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کو مغربی تعلیم کی اہمیت کا احساس دلانے کا سہرا سر سید کے سر ہے یا یہ کہ علماء نے مغربی علوم کی مخالفت کی تھی۔ سر سید کی مخالفت کے وجہ بالکل دوسرے (اور ایک حد تک یقیناً سچی) بجانب بھی تھے۔

آگے چل کر ایک باب میں ٹولف نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بعض فقہی تحقیقات اور فتاویٰ بھی نقل کئے ہیں، ان سے موصوف کی فقہانہ حیثیت کا اچھا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان میں بعض مسائل ایسے بھی ہیں جو آج تک ہمارے اہل علم کے مابین مختلف فیہ ہیں۔ اس باب میں کچھ تحریریں

سے مولانا کی وسعتِ ظرف اور رواداری کا بھی پتا چلتا ہے۔ تصویرِ شیخ کے عنوان سے جو تحریر ہے (ص ۱۶) اس سے ایسی بہت سی غلط فہمیوں کی تردید ہو جاتی ہے جو تصویرِ شیخ کے عام نظریہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ کتاب کے آخر میں مولانا محمد یعقوب صاحب کے شری اور ادبی ذوق کا ایک اچھا جائزہ لیا گیا ہے۔ مولانا اردو، عربی اور فارسی میں اعلیٰ درجہ کے شعر کہتے تھے۔ اردو اور فارسی میں گنگام تخلیص کرتے تھے۔ مشے نمونہ از خروارہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ شاعرانہ تعالیٰ، لغزل، غنائت اور اسلامی نقطہ نظر کو کس خوبی سے بجا کیا ہے۔ ایک نزل کا مقطع ہے :

ہم نے گنگامِ دامن پاؤں جمائے اپنے پافرشتے کا بھی جس جا پہ پھلتا دیکھا
ایک مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ جذبہ بے اختیار شوق اور جیتابی عشق کا مضمون ہانڈھا ہے :

کس کی حسرت کروں رہا کیا ہے غم کروں کا ہے کا گیا کیا ہے
پھر وہی اضطرابِ دل کا ہے زور ایک سینے میں پھر مچا ہے شور
چشم جاری جو کرے چشمہِ خون مصرع عشق خوب ہو موزوں

شعر و شاعری کے ضمن میں خاصے کی چیز مجاہد تقی تانہ بھون حافظ فاضل صاحب تھانوی شہید کا سراپا بھی ہے۔ اس کے علاوہ ایک نعتیہ قصیدہ (اردو)، چند فارسی نعتیں اور غزلیں اور ایک عربی قصیدہ سلطان عبدالحمید خان کی مدح میں بھی دیکھنے کی چیزوں ہیں۔ کتاب کا معیار طباعت اچھا ہے، کاغذ بھی عمدہ اور سفید ہے۔ قیمت بھی آج کل کے نرخ کے حساب سے مناسب ہی معلوم ہوتی ہے۔

(محمود احمد غازی)

تعمیرِ ملت
: مصنف : خواجہ عبدالکیم انصاری

ناشر : قاسم ستر، انارکلی، لاہور۔ کتابت : معیاری۔ طباعت : آفیسٹ۔ کاغذ : سفید۔ صفحات : ۳۴۸۔ جلد : اشاعت : ۱۹۷۴ء۔ قیمت : پندرہ روپے (خاصی ایڈیشن : بیس روپے)

زیر تبصرہ کتاب کا موضوع مندرجہ ذیل سوال ہے :

”جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی برحق اور ہمارا قرآن اللہ کی سچی کتاب ہے تو بھرتیٰ اسلام

کے زوال کی وجہ کیا ہے؟“

یورپی سامراج کے زمانے سے یہ سوال بار بار مسلمان مفکرین کے ذہنوں میں اُٹھتا رہا ہے اور شکیب ارسلان، جمال الدین افغانی، جرمالوس اور دوسرے کئی دانش ورؤں نے اس کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب تک مسلمان ملتیں یورپی تسلط سے آزاد نہیں ہوئے تھے مفکرین کی زیادہ تر توجہ اس سوال کے سیاسی پہلو کی طرف ہی لیکن آج جب کہ عالم اسلام آزاد ہے یہ سوال مختلف انداز سے ہمارے ذہنوں میں اُبھر رہا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن ہدف کا تعین نہ ہونے کی وجہ سے نہ ان کے جواب تسلی بخش ہیں اور نہ ہی ان کے تجزیوں سے ملتِ اسلامیہ کو اپنے زوال کے اسباب دُور کر کے ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے میں مدد ملی ہے۔

عام طور پر اس سوال کے تجزیوں میں ”عروج و زوال“ سے مراد ”سیاسی“ عروج و زوال لیا جاتا رہا ہے اور اس کا جواب مبہم اور مجمل انداز سے ہی دیا جاتا رہا ہے کہ ”ہمارے زوال کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کی تعلیم پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے؛“

زیر نظر کتاب میں خواجہ عبدالرحیم صاحب نے ہمارے تجزیوں کی کمزوریوں کو پکڑا ہے اور اس طرح ایک مفید تر تجزیہ پیش کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

خواجہ صاحب نے اپنے تجزیے میں اخلاقی تسنزل کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ ان کا کہنا ہے؛

”پاکستان بننے کے بعد یہاں کے باشندوں میں نماز کا پورا پورا جہت زیادہ ہو گیا

ہے..... مساجد بھی عام طور پر ہر جگہ نمازیوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں.....

روزوں کی پابندی اور رمضان کی رونق بھی پہلے سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ زکوٰۃ دینے

والوں اور حج کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے..... لیکن جہاں تک اخلاق

کا تعلق ہے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس میں ہمارے پاکستانی بھائیوں

نے بالکل ترقی نہیں کی بلکہ اُلٹا تسنزل ہوا ہے...“

دیا چھے میں اس بنیادی نکتے کی نشاندہی کرنے کے بعد مصنف اس مسئلے کا باقاعدہ تجزیہ شروع

کرتے ہیں۔ اس تجربے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصے میں انہوں نے قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کے عروج کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے ان میں سے پانچ بنیادی اصول اخذ کئے ہیں جن پر عمل سے عروج حاصل ہوا۔ یہ اصول تھے ایمان، اتحاد، رابطہ، اطاعت اور عمل۔ دوسرے حصے میں اسبابِ زوال سے بحث کی ہے۔ زوال کا داخلی سبب تو تین پانچ اصولوں سے انحراف تھا۔ اس کے علاوہ خارجی اسباب بھی رہے ہیں جن میں اکثر وہ عوامل ہیں جو تاریخِ اسلام کے مختلف مراحل پر ابھرے۔ ان میں شہادتِ عثمانی سے لے کر یورپی استعمار تک دس وجوہات کی نشاندہی کی ہے۔

تیسرے حصے میں مصنف نے اس ابہامِ پسندی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے جب یہ کہہ کر بات کو مبہم چھوڑ دیا جاتا ہے کہ زوال کا سبب قرآنی تعلیمات پر عمل نہ کرنا ہے۔ مصنف نے اس ابہام کو دور کرنے کے لئے قرآنی تعلیمات کی قدرے تفصیلی تعبیر پیش کی ہے جس سے اجتماعیت کے وہ قرآنی اصول واضح ہوتے ہیں جن سے مسلمانوں کا عروج و زوال وابستہ ہے۔ اسی ضمن میں اسلامی عقائد، عبادات اور معاملات کے ساتھ اخلاق و آداب کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو آسان اور قابلِ فہم پیرائے میں پیش کیا ہے۔ اس حصے کی خوبی یہ ہے کہ تصوف کو مشاہداتی علم کی حیثیت سے پیش کر کے تصوف کو ماورائیت اور بے معنویت کے ابہام سے پاک کر دیا ہے۔ اس ضمن میں مبداء و معاد اور تقدیر کے مسائل کو بھی عقلی انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

کتاب کی زبان نہایت آسان اور سلیس ہے۔ مباحث جلدی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں ان تمام مباحث کا خلاصہ بھی دے دیا گیا ہے۔

اس قابلِ قدر کتاب کی ایک بات کھٹکتی ہے۔ زوال کے اسباب و عوامل کے اس تفصیلی تجزیے کے بعد جب علاج کی باری آئی تو اُسے صرف دو صفحے میں ختم کر دیا گیا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ بہت جلدی میں کہا گیا ہے اور اس میں اتنی چھان پھٹک نہیں کی گئی جتنی کتاب کے باقی حصوں میں کی گئی ہے۔ تاہم کتاب بے حد مفید ہے اور اس قابل ہے کہ ہر گھرا اور ہر لائبریری میں موجود ہو، ہر ایک کے مطالعہ سے گزرنے اور ہر ایک کے غور و فکر کا موضوع بنے۔